© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں ایک واضح دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیوی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی جس میں منافقوں کے ساتھ بعض مومنوں نے بھی یقین کر لیا تھا۔ یہ تہمت آپ کے لئے اب تک کی تمام تکلیفوں میں سب سے بڑی تھی۔ بہت دنوں تک وحی کا نزول بند رہا۔ پھر حضرت عائشہؓ کی برأت میں سورۂ آیات نازل ہوئیں۔ اگر نزول وحی میں حضور کی ذاتی استعداد کو دخل ہوتا تو اس بڑی مصیبت میں وحی ہرگز اتنے روز بند نہ ہوتی۔ چنانچہ بہت پہلے ہی کوئی ایک آیت بنا کر (نعوذ باللہ) اپنے دل کو سکون بخشتے اور منافقوں کی زبان پر قفل لگا دیتے۔

یہ سچ ہے کہ قرآن ایک آسمانی کتاب ہے جو اللہ نے ایک مخصوص طریقے سے اپنے رسول کو عطا کی۔ دنیا کے تمام دانشوران محمد صلعم جیسا کوئی دوسرا انسان پیدا نہ کر سکے اور نہ پیدا کر سکتے ہیں۔ تو کیا ان کی یہ بے بسی اس دعوے کے لئے کافی نہیں؟ اس وحی کو جھٹلانے کے لئے مشرکین و منکرین نے جو کچھ بھی کہا ہے ان میں سے بعض خود تاریخ پر تہمت ہے اور بقیہ باطل ہے۔ آج صدیاں گذر جانے کے بعد کسی یقینی دلیل سے اس کی بنائی ہوئی کسی خبر کی تردید و تکذیب نہیں ہو سکی مثلاً قرآن نے کائنات کے مادّے کو دخان کہا ہے جو سائنس کی اصطلاح میں ایتھر ہے اور فرمایا کہ آسمان و زمین دونوں رتقاً تھے یعنی ایک ہی مادہ تھے جو باہم پیوست و متصل تھا پھر خدا نے ہر ایک کو جدا جدا صورت دیکر اور ان میں جاندار پھیلا دیئے اور فرمایا کہ خدا نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے اور یہ کہ خدا نے تمام نباتات و حیوانات کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔[1]

۱۔ وحی محمدی رشید رضا ص ۴۶۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قسم کی بہت سی مثالیں قرآن پاک سے دی جا سکتی ہیں۔ قرآن نے انسانی زندگی کے لئے مختلف قانون کی بنا دیئے ہیں۔ قرآن میں عقائد، اخلاق اور ان کی بنیادیں قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے اس میں صرف اخلاق انسانی کی اصلاح کے لئے بہترین رہنمائی موجود نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف، انتظامی معاملات اور معاشیات کے بارے میں قوانین موجود ہیں اور جس کی بنیاد خدمتِ خلق اور خدا کے وجود کے یقین پر قائم کی گئی ہے۔

ہمارا ایمان ہونا چاہیئے بلکہ ہے کہ قرآن کتاب اللہ ہے، کلام اللہ ہے۔ یہ انسانی پیداوار نہیں، یہی تو کتاب ہے جس میں تمام بنو نوع کی رشد و ہدایت ہے۔ اس میں وہی حقائق بیان کئے گئے ہیں جن کے مصدقات فطرت انسانی میں موجود ہیں۔ قرآن کی پیش کردہ مساوات اور اخوت کسی ملک و قوم یا کسی رنگ و نسب کو نہیں دیکھتی۔ آج دنیا میں صرف قرآن ہی ایک ایسی مذہبی کتاب ہے کہ وہ جس طرح جس زبان میں نازل ہوئی اسی میں محفوظ ہے۔ اس حیثیت کی کوئی کتاب آج دنیا میں موجود نہیں۔

اگر کسی کتاب کی قیمت کا اندازہ اس کے نتائج سے لگایا جا سکتا ہے یعنی اس بات سے کہ آدمی کے سوجھاؤ کے گہرے سے گہرے اور اچھے سے اچھے پہلوؤں پر کیا اثر پڑا تو ضروری ہے کہ قرآن کو دنیا کی عظیم سے عظیم کتب میں ایک منفرد درجہ دیا جائے۔[1]

فرانسیسی دانشوروں کے قرآن کے بارے میں الفاظ ہیں:

"It is therefore the first Arabic prose work - one that

۱۔ سندرلال گپتا، گیتا اور قرآن۔ ۱۸۱-۱۸۲-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

raised the idiom of that being to the eight of a civilized - while at the same time its dec- lamatory style provide a rhythm and an inspiration for the whole of Moslem life."[1]

آرتھر جیفری لکھتا ہے:

"The scripture of nother com- munity, not even the old testa ment among the Jews, has had quite the same influence on the life of the comm ty as the Quran has had in Islam."[2]

اس طرح اہل اسلام کے ساتھ ساتھ بعض غیر قوم کے دانشوروں نے بھی قرآن کو دوسری کتب آسمانی سے بڑا مانا ہے اور با لفاظ دیگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن آسمانی کتاب ہے مگر پھر بھی لوگ اس

1- Dominique Sowdel Translated by Dunglass cutt - Islam.

2- The Quran as scripture. Arthur Jeffery

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حقیقت کو جھٹلانے میں عار نہیں سمجھتے۔ حضورؐ کے زمانے میں اور آپ کے فوراً بعد بہت سے لوگوں نے قرآن کو جھٹلایا جن میں مسلیمہ اور متنبی وغیرہ کا نام مشہور ہے۔ ان لوگوں نے اپنی شاعری کے مجموعہ کو قرآن کا مثل بنا کر پیش کیا لیکن زمانے نے اس کو قبول نہیں کیا۔ صرف انھیں پر کیا موقوف ہے شیطان نے تو قیامت تک اللہ سے مہلت مانگ رکھی ہے۔ ہر دور میں ایسے ولید اور مسلیمہ پیدا ہوتے رہیں گے جو قرآن کو اکتسابی ہنر بتا کر خود اس کے مدعی بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ وحی نہ تو کسب وہنر سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی انسانی قوت و فکر سے۔ یہ تو خالص وحی اور منزل من اللہ ہے۔ اللہ پاک خود فرماتا ہے:

یاایہا الذین آمنوا آمنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ۔[1]

۱۔ النساء۔ آیت ۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامع مسجد رام پور

جناب محمد شعائر اللہ خاں صاحب، انگوری باغ رام پور

رام پور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم

غالب

شہر مصطفیٰ آباد جو ریاست رام پور کے نام سے جانا جاتا ہے ہمیشہ سے مرکز علم و فن اور گہوارۂ تہذیب رہا ہے۔ اس چھوٹے سے شہر کو اگر آپ ہندوستان کے نقشہ پر دیکھنے کا ارادہ کریں تو کافی جستجو اور تلاش کے بعد چند نقطوں سے زیادہ طول و عرض نہ دیکھ پائیں گے۔ پھر اس کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں ہے ۱۷۷۵ء میں نواب فیض اللہ خاں صاحب نے اس کو پایۂ تخت قرار دے کر باقاعدہ آباد کیا تھا۔ اس حساب سے اس کی عمر صرف دو سو نو سال کی ہے لیکن اتنے قلیل عرصہ میں اس مختصر سی آبادی نے اپنا نام عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا ہے اور محتاج تعارف نہیں رہی۔ جس کی پہلی وجہ تو خدائے برتر کا کرم اور علمائے کرام و خاصانِ خدا کا وجود مسعود ہے اور دوسری وجہ تعلیم دین اور شعائر اسلام سے دلچسپی و رغبت کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اہل علم نے اپنی زبان و قلم سے کبھی اس خطۂ رام پور کو

© rasailojaraid.com

[illegible] نہیں کیا ماضی قریب میں بھی اور ماضی بعید میں بھی۔

کچھ عرصے سے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسالہ اوراق پر اُن منتشر حالات و واقعات کو یکجا کیا جائے جن کا تعلق اسلام کی اس عمارت سے ہے جو ہر مسلم آبادی کے لیے ضروری ہے اسے مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس عنوان پر اب تک باقاعدہ نہیں لکھا گیا ہے۔ حالات رام پور کے تحت ذیلی طور سے بہت مختصر تعارف کرایا گیا ہے اس لئے یہ خیال پیدا ہوا کہ مفصل طور سے اس پر لکھا جائے چنانچہ اب تک کی حاصل شدہ معلومات کو سپرد قلم کر رہا ہوں۔

جامع مسجد رام پور کی بنیاد عہد فیض اللہ خانی سے مانی گئی ہے جس کو اکثر مصنفوں نے تسلیم کیا ہے لیکن کسی نے تاریخ کا تعین نہیں کیا ہے۔ نجم الغنی خاں (م ۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں:

> "نواب (فیض اللہ خاں) صاحب کے عہد میں مسجدیں بکثرت تعمیر ہوئیں جامع مسجد قدیم انھیں کی تعمیر کرائی ہوئی تھی۔[۱۸]"

امیر مینائی (م ۱۹۰۰ء) بھی اسی طرح کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "عہد دولت میں مسجدیں بکثرت تعمیر ہوئیں اور ایک مسجد ایسی عالی شان بنی کہ اس سرزمین پر بے نظیر ہے حسن نیت سراپا برکت ہے آج تک دن رات مصلیوں کی جماعت سے رونق پذیر ہے۔"[۱۹]

تاریخ کے تعین کے سلسلے میں پہلی بار کلب علی خاں فائق رام پوری نے اپنے مضمون مدرسہ عالیہ رام پور میں یہ انکشاف کیا ہے کہ "میرے مرحوم چچا احمد رضا خاں (ولادت ۱۸۸۱ء وفات ۱۹۷۲ء) نے بتایا کہ جامع مسجد فیض اللہ خانی کے دروازہ کی محراب پر [illegible] کندہ تھا۔

یک مسجد فیض کعبۂ نو[34]

۱۱۸۰ھ

ہجری سال ۱۱۸۰ کا عیسوی ۱۷۶۶ برآمد ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ رام پور کے پایۂ تخت قرار پانے سے پہلے اس کی تعمیر ہوئی۔ اس کا مزید ثبوت جسٹس مشتاق شیر خاں (م ۱۹۷۹ء) کی تحریر سے بھی ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> نواب فیض اللہ خاں صاحب مع مولوی (غلام جیلانی خاں) صاحب اور دیگر پٹھانوں کے سرداروں کے ساتھ رام پور آئے تو انھوں نے رام پور شہر میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔[35]

فیض اللہ خاں کے رام پور آنے سے مراد وہ وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ اور ان کے بھائی عبداللہ خاں احمد شاہ ابدالی کی قید سے اپنے والد علی محمد خاں کے انتقال سے تین سال بعد ۱۷۵۲ء میں رام پور آئے تھے اور یہ مسجد انھوں نے ورودِ رام پور کے دس پندرہ سال بعد بنائی ہو۔ اس طرح سال ۱۱۸۰ھ کی صحت پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

اس مسجد کی بنیاد ہمیشہ علماء و صوفیاء کے ہاتھ سے رکھی جاتی رہی ہے چنانچہ فیض اللہ خانی مسجد کی بنیاد کے سلسلے میں ایک واقعہ کی کتاب حالات مولوی غلام جیلانی خاں مصنفہ جسٹس ارشاد اللہ خاں میں ملتا ہے۔[36]

اس کے علاوہ اس مسجد کی بنیاد رکھنے والوں میں حافظ سید محمد ایوب صاحب بھی تھے جو قادریہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔[37]

بہرحال یہ خوبصورت جامع مسجد ۱۱۸۰ھ میں تیار ہوئی جو اس وقت کی آبادی اور شاندار رہائشی عمارتوں کے لحاظ سے یقیناً بے مثل رہی ہو گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منشی امیر اللہ تسلیم (م ۱۹۱۱ء) اس کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اسی عہدِ دولت میں شام و سحر
بنیں مسجدیں جا بجا بیشتر
خصوص ایک مسجد ہے وہ دل پذیر
نہیں جس کا ہندوستاں میں نظیر [۷]

لیکن جب آبادی میں اضافہ ہوا اور رہائشی عمارتوں نے شان و شوکت اختیار کی تو خدائے برتر کی عبادت کے گھر کی توسیع اور تعمیر جدید کی بھی ضرورت پیش آئی چنانچہ جامع مسجد کو وسیع کرنے کے لئے برابر کی جگہ حاصل کی گئی اور اس جگہ پر ایک خوشنما دلان کے پانچ دروازوں والی لاثانی عمارت تعمیر کی گئی جس پر تین گنبد اور چار مینار تعمیر کئے گئے جن پر کلس ہائے ملمع طلائی نصب کئے گئے اس طرح یہ مسجد الگ مکمل حیثیت کی مالک ہو گئی اور جامع مسجد کہلائی۔ کلب علی خاں (م ۱۸۸۷ء) نے قدیم جامع مسجد کے برج گرا دیئے اور وہ اس کی بغل میں سما گئی۔" [۸]

اس نو تعمیر کے بارے میں نجم الغنی خاں صاحب رقم طراز ہیں کہ

"(کلب علی خاں) نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی ۲۲ر شعبان ۱۲۹۱ھ مطابق ۴ر اکتوبر ۱۸۷۴ء کو علماء و فضلاء و اولیائے شہر کے ہاتھ سے اس کی بنیاد کی اینٹ رکھوائی اور ۱۲۹۲ھ میں بن کر تیار ہوئی۔ عمارت خوشنما اور وسیع تھی جس کے مصارف کی تعداد نواسی ہزار دو سو تینتیس روپے پونے دو آنے ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے: تعمیر میں بیاسی ہزار آٹھ سو چار روپے سوا تین آنے۔ کلس ہائے ملمع طلائی چھ ہزار چار سو اٹھارہ روپے ساڑھے چودہ آنے۔" [۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ محمد ایوب قادری صاحب نے اپنے ایک مضمون "عمارات رضا علی" میں امپیریل گزیٹیر جلد ۲۱ صفحہ ۱۸۳ کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ کلب علی خاں نے جامع مسجد کی تعمیر پر تین لاکھ روپے صرف کیے تھے۔

منشی امیر اللہ تسلیم اس تعمیر جدید کی تعریف کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

سراپا دلہن کی طرح دل فریب
فلک دیکھ کر دل میں ہوں ناشکیب
وہ تعمیر کی مسجد لاجواب
کہ عالم میں نکلے نہ جس کا جواب
یہ رفعت نہ دیکھی سنی خواب میں
کہ ہے چرخ ساجد ہیں محراب میں
فضا صحنِ مسجد کی ایسی کہ دل
تمنائے جنت سے ہو منفعل
اگر آنکھ پڑ جائے دیوار پر
صفا سی نظر آئے عکسِ نظر
وہ پائی ہے عظمت کہ میں کیا کہوں
بجا ہے اگر گھر خدا کا کہوں
ہزاروں مسلمان اہلِ نیاز
جماعت سے پڑھتے ہیں باہم نماز
مقرر ہیں روز و شب و صبح و شام
خطیب و مؤذن مکبر امام ۱؎

مسجد کے آنگن میں داہنے اور بائیں جانب کمرے بنائے گئے جن میں ۔۔۔۔ کے قریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدرسہ عالیہ بھی آگیا تھا جو ۱۹۱۲ء تک رہا اور پھر گنج قدیم میں منتقل ہو گیا جہاں سے ۱۹۷۰ء میں یہ کلب گھر کی عمارت میں منتقل ہوا اور اب تک وہیں ہے۔

ایک صدر دروازہ تعمیر کیا گیا جس پر ایک گھنٹہ دو رویہ نصب ہے کہ اندر اور باہر والے ایک ساتھ اس میں وقت دیکھ سکتے ہیں۔ یہ گھنٹہ ۱۸۶۶ء میں خصوصاً پرنس آف ویلز کے لئے بنا تھا اور اسے لندن کی جے بی بینسن کمپنی نے بنایا تھا جو بزرگوں کی روایت کے بموجب کلب علی خاں صاحب نے لندن سے سیکنڈ ہینڈ منگوایا تھا اور یہاں لگوایا۔ اس گھنٹہ پر دو تختیاں نصب ہیں جن پر یہ تحریر ہے:

پہلی تختی

Wath and Clock Maker by special
Appointment To H. R. H: The Prince
Of Wales

دوسری تختی

J. B. Benson Ludcate Hill and old
Bondst LONDON.

اس گھنٹہ کی آواز میلوں دور تک سنی جاتی ہے۔ بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ نواب کلب علی خاں خود بھی نماز جمعہ کے لئے مسجد تشریف لاتے تھے۔

زمانے کے نشیب و فراز گذرتے رہے بالآخر نواب حامد علی خاں کی نوابی کا زمانہ آیا۔ انھیں تعمیرات کا بے حد شوق تھا۔ حسن اتفاق سے انھیں کرنل رائٹ نامی ایک فرانسیسی انجینئر مل گیا جس کے ذریعہ انھوں نے تعمیرات کا کام کرایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام طور پر اکثر سرکاری عمارات اندرون قلعہ رنگ محل، حامد منزل (رضا لائبریری) مچھلی بھون (رضا ڈگری کالج) امام باڑہ و مسجد اور بیرون قلعہ صدر کچہری کوٹھی خسرو باغ (رضا ڈگری کالج) کوٹھی شاہ آباد، کوٹھی بے نظیر، کوٹھی خاص باغ، اسٹیٹ ہائی اسکول (حامد انٹر کالج) وغیرہ سب اسی عہد کی یادگار ہیں۔ ان تمام تعمیرات کے ساتھ نواب حامد علی خاں نے جامع مسجد کو بھی ازسرنو تعمیر کرانے کا ارادہ کیا۔ اخبار دبدبۂ سکندری لکھتا ہے:

"نواب خلد آشیاں (کلب علی خاں) کی تعمیر کردہ جامع مسجد جو اب مخدوش حالت میں تھی نواب حامد علی خاں نے اپنی علو ہمتی سے براہ رعایا نوازی منہدم کرا کے ازسرِنو نہایت خوشنما و شاندار جامع مسجد تعمیر کرنے کے لئے کئی لاکھ روپے کی منظوری صادر فرمائی اور انہدام کا کام شروع ہوگیا ...... اور طے پایا کہ مسجد کی تعمیر کی تکمیل تک نماز جمعہ موتی مسجد میں ہو۔ چنانچہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۱۲ء کو پہلی مرتبہ نماز جمعہ موتی مسجد میں ہوئی۔ موتی مسجد جامع مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے اور کافی وسیع ہے اور مسجد کے اندر حوض بھی ہے۔" ۱۱؎

جامع مسجد منہدمہ کے برابر قدیمی جامع مسجد تھی جسے نواب فیض اللہ خاں صاحب نے بنوایا تھا۔ نواب کلب علی خاں نے ۱۸۷۴ء میں تعمیر نو کے وقت اس کا الگ وجود برقرار رکھا تھا لیکن نواب حامد علی خاں نے اس موقع پر اس مسجد کا کچھ حصہ موجودہ جامع مسجد میں شامل کر دیا اور باقی حصہ کو الگ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصہ کو صحن میں چھوڑ دیا جس میں عورتیں اب بھی جمعہ کے روز نماز ادا کرتی ہیں۔

میرے نانا خطیب اعظم حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب (م ۱۹۸۰ء) نے میرے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ قدیم جامع مسجد کو صحن شامل کرنے سے جامع مسجد کا دالان تو ضرور وسیع ہو گیا لیکن صحن ٹیڑھا ہو گیا جس سے اس کی خوبصورتی جاتی رہی۔ اگر حامد علی خاں پرانی مسجد کو اس میں شامل نہ کراتے تو اس کی خوبصورتی دیکھنے کے قابل ہوتی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ صحن کی ٹیڑھ مسجد کی خوبصورتی پر اثر انداز ہے۔

الغرض مسجد کی تعمیر کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ رمضان المبارک کا مہینہ آگیا۔

"نواب حامد علی خاں نے چاہا کہ نماز جمعۃ الوداع اپنے قدیم مقام پر ہو اور مسلمانوں کو عظیم الشان جماعت کے برکات حاصل ہوں لہٰذا شب و روز تعمیر کا کام کرایا گیا اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۱۳ء کو نماز جمعۃ الوداع جدید تعمیر شدہ جامع مسجد میں پورے اسلامی کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ ہزارہا مسلمانانِ رامپور نے ادا کی۔" [۱۳]

اس کے اختتام پر عبدالحکیم خاں مضطر نے یہ تاریخ لکھی:

شاہ اورنگِ عدالت نورِ چشم دین و داد
ظلِ او بر فرقِ ما بادا الٰہی دائما
مسجدِ جامع وسیع و مرتفع تعمیر کرد
فی المثل گوئی کہ بر فرش ست عرشِ کبریا
فکرِ تاریخِ مضطر ہاتفِ القا نمود
[۱۴] از پئے ذکر و صلوٰۃ و منبر و بانگ و دعا

۱۳۳۲ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامع مسجد کا محل وقوع بہت عمدہ ہے۔ چاروں طرف بازار ہے اور ...
میں واقع ہے۔ شمالی جانب میں ... متصل ہے نیچے بازار ... ہے۔ جنوب ...
میں بازار متصل ہے۔

مسجد کافی وسیع ہے اندرونی حصہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں ساڑھے تیرہ سو افراد بآسانی نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ اندرونی حصہ میں سنگ مرمر کا سفید اور کالا فرش شطرنج کی بساط کی طرح بچھا ہوا ہے جو ہر زمانہ میں ٹھنڈا رہتا ہے اور اس پر خوبصورت دریاں بھی رہتی ہیں، مسجد کے درمیانی حصہ میں تین شاندار منبت کاری کے سنہری و روپہلی کام سے مزین محرابیں ہیں۔ بیچ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور دائیں بائیں پتھر کے تراشیدہ خوبصورت منبر ہیں۔ ابھی حال میں بیچ کی محراب میں رنگین ٹائلیں (TILES) لگ گئی ہیں جن سے محراب کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔

مسجد کے اندرونی حصہ میں داخل ہونے کے لئے محرابی شکل میں بہترین قسم کی منبت کاری سے مزین طویل و عریض سات شاندار دروازے ہیں، درمیانی دروازہ نسبتاً بڑا ہے۔ سب پر انتہائی شاندار تانبہ کے کواڑ جڑے ہوئے ہیں اندرون حصہ کے درمیان میں خوبصورت قسم کے چھ ستون ہیں پہلے ان پر پلاستر اور رنگ کیا ہوا تھا ابھی ۱۹۸۰ء میں ان پر مزیک (MOSAIC) کیا گیا ہے جس سے اس کی خوشنمائی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ ان ستونوں کے درمیان سنہری کام کے بہت عمدہ بلوری جھاڑ زنجیروں کے ذریعہ چھت میں آویزاں ہیں ان پر سونے کا پانی کیا ہوا ہے اور بجلی کے بلب نصب ہیں۔ اس کے علاوہ خاص تعداد میں بجلی کے پنکھے بھی آویزاں ہیں جو گرمی کے زمانہ میں نمازیوں کو بہت آرام پہنچاتے ہیں۔

مسجد کا صحن بھی بہت وسیع ہے جس میں تقریباً ڈھائی ہزار افراد بیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نماز ادا کر سکتے ہیں اس کا فرش سرخ پتھر کا ہے۔ درمیان صحن میں دو خوبصورت کھمبے نصب ہیں جن پر روشنی کے لئے لالٹینیں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ پورے صحن میں دربیچے بھی نصب ہیں جن پر تانے کھنچے ہوئے ہیں ان پر دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے سائبان لگا دیئے جاتے ہیں۔ شرقی جانب صدر دروازہ مسجد کے مناسب اور شاندار طریقہ پر بنا ہوا ہے۔ اس پر گھنٹہ بھی نصب ہے۔ وضو کرنے کے لئے جنوب کی سمت میں کافی وسیع و عریض حوض بھی ہے جس کے بیچ میں دو فوارے نصب ہیں اس میں رنگین مچھلیاں تیرتی رہتی ہیں اس کے علاوہ ستمبر ۱۹۸۰ء میں ایک ٹنکی بھی بن گئی ہے جس سے نمازیوں کو مزید آسانی ہو گئی ہے۔

صدر دروازے کے علاوہ دو چھوٹے دروازے اور بھی ہیں جو ہر وقت آمد و رفت کے لئے کھلے رہتے ہیں ان میں تحصیل کی جانب کے صدر دروازہ کی تعمیر جدید اگست ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔ جنوب مشرقی جانب میں اذان دینے کے لئے ایک مینارہ (اذان گھر) ہے جہاں سے اذان لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ دی جاتی ہے، لاؤڈ سپیکر نظام یہاں ۱۹۶۷ء میں قائم ہوا۔

جامع مسجد کی ایک خاص تقریب جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو ہوتی ہے اس میں قرآن خوانی، نقل اور جلسۂ سیرت کے پروگرام مرتب ہوتے ہیں بعدہٗ لڈو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس جشن کو عام طور سے اہل رام پور لڈو علاقی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ جشن برسہا برس سے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

اس مسجد کا انتظام و انصرام ہمیشہ سے ریاست کے زیر تحت رہا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں انضمام ریاست کے بعد اسٹیٹ وقف آفس اس کی دیکھ بھال کرتا رہا جس کے ذمہ دار نواب صاحب رام پور تھے۔ اب یکم اپریل ۱۹۷۶ء سے اس کا انتظام شہر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہلی کی ایک کمیٹی کر رہی ہے جس کا یوپی شیعہ سنی سنٹرل وقف بورڈ سے الحاق ہے۔

اس کمیٹی کے قیام سے جامع مسجد کے انتظام و انصرام میں کافی بہتری آئی ہے۔ کمیٹی نے بہت سی جدید تعمیرات جن کا لاکھوں روپے ہے اندر کے حصے میں دیواروں کا پلاستر، ستونوں پر موزائیک، آنگن میں کمل فرش، سائبان کی تعمیر اور جدید مارکیٹ کا قیام، جس سے کہ آمدنی میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے ــــ خدا کرے یہ سلسلۂ انتظام اسی طرح ترقی کرتا رہے۔

آخر میں جامع مسجد کے اماموں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ قاری سید علی حسین نقشبندی محدث — آپ ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ وفات آپ کی ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ آپ فیض اللہ خاں جامع مسجد کے امام تھے۔

۲۔ مولوی حافظ عبدالشکور — آپ ۱۸۴۰ء/۱۲۵۶ھ سے ۱۸۶۵ء/۱۲۸۲ھ تک فیض اللہ خاں جامع مسجد کے امام رہے۔

۳۔ مولوی ثناء اللہ — جمادی الاول ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء تک زندہ تھے۔ آپ فیض اللہ خاں جامع مسجد کے امام رہے۔

۴۔ مولوی سید منیر علی قادری — ۱۸۷۵ء/۱۲۹۲ھ میں تعمیرِ نو کے وقت آپ نے محبوب علی خاں صاحب کی خواہش پر صرف ایک جمعہ پڑھایا۔ خطبہ کا ایک شعر یہ ہے ؎

اے دل مکن گناہ کہ تحقیق مردہ نیست
اعمال نیک کن کہ قیامت رسیدہ نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ مولوی سید افضال علی قادری — ۱۸۷۵ء سے ۱۹۰۲ء تک آپ نے بحیثیت خطیب صرف جمعہ پڑھایا۔ ۸ر جون ۱۹۰۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

۶۔ سید مرتضیٰ علی صاحب — آپ کا نام امام کی حیثیت سے ۱۸۹۱ء میں ملتا ہے[۱۸] اور انتقال ۲۲ر جولائی ۱۹۱۳ء کو ہوا[۱۹] لہٰذا آپ کلب علی خانی جامع مسجد کے امام رہے۔

۷۔ سید فتح علی صاحب — آپ کا ذکر بھی ۱۸۹۱ء میں ملتا ہے[۲۰]۔ لہٰذا آپ بھی کلب علی خانی جامع مسجد کے امام رہے۔

۸۔ حافظ سید محمد شاہ صاحب — آپ کا نام ۱۹۰۲ء سے ۱۹۱۱ء تک پیش امام کی حیثیت سے آتا رہا ہے[۲۲]۔ لہٰذا آپ کلب علی خانی جامع مسجد کے امام رہے۔

۹۔ سید جمیل حسن قادری — آپ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۲ء تک نائب امام کی حیثیت سے رہے۔ ۱۹۲۲ء کے بعد آپ امام اوّل ہو گئے۔ ۹ر فروری ۱۹۴۶ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

۱۰۔ حافظ حاجی کل صاحب — آپ کا ذکر ۱۹۰۹ء میں آیا ہے۔ نومبر ۱۹۰۹ء میں آپ کا انتقال ہوا[۲۳]۔

۱۱۔ سید ابو الحسن صاحب — آپ ۱۹۱۳ء میں امام اوّل مقرر ہوئے

© rasailojaraid.com